ڈاکٹر عائشہ مدنی [1]

حقوق نسواں سے متعلق منتخب قرآنی آیات کی تعبیر نو

Abstract

This article analyses the interpretation of verses of Holy Quran presented and propagated by the eminent lady activists of woman rights. These ladies tend to interpret the Quranic meaning in adoptable manner where in the verses of Quran are taken entirely off their context. What little they understand out of their glance of the script, they construct a huge building of logical derivations. It looks clear that the meaning of verses are derived under ulterior motives and at some points it portrays that meaning are deliberately diverted.

قرآن مجید کی آیات کی تفسیر انتہائی عظیم المرتبت کام ہے۔ اس کی جتنی بھی عظمت اور فضیلت بیان کی جائے کم ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ آیت کی تفسیر و تعبیر کرنے کے مقاصد در حقیقت ایسے قرائن و شواہد کے ذریعے ہی سے معلوم ہوتے ہیں جو حقیقت حال کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ طبقہ نسواں سے وابستہ جدید ذہن کا قرآن مجید کا مطالعہ مغربی افکار کے زیر اثر رہا ہے اور انہوں نے مغربی زاویہ نگاہ سے قدیم قرآنی تفاسیر کو ماپا ہے۔

طبقہ نسواں سے وابستہ جدید ذہن قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے وقت احکامات کے سیاق و سباق کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ سر سری مطالعے میں جو بات ان کی سمجھ میں آ گئی، اسی پر بحث و استدلال کی عمارت کھڑی کر دیتے ہیں۔ صاف محسوس ہوتا ہے کہ آیات کا مطلب کھینچ تان کر نکالا گیا ہے بلکہ بعض مقامات پر دانستہ تحریف کا سا گمان ہونے لگتا ہے۔

طبقہ حقوق نسواں قرآن کی تعبیر میں تاویلی طریقے کا حامی ہے۔ جیسا کہ ان کی اکثر تحریروں سے معلوم ہوتا ہے۔ امینہ ودود اور دیگر خود اس بات کے خواہاں ہیں کہ قرآن کے مفہوم کو اخذ کرنے کے لئے تاویلی طریقہ اختیار کیا جائے۔ تعبیر نو کے حاملین کے آیات کے معنی متعین کرنے کا انداز بھی روایتی تفسیری طریقہ سے ہٹ کر

1 اسسٹنٹ پروفیسر، فیڈرل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج فار ویمن F-7/2 اسلام آباد

تاویلی ہے کہ جس میں باطنی معانی کو ظاہری معانی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جس میں جزوی طریقے کی بجائے کلی (holistic)طریقہ پیش نظر رکھا جاتا ہے۔اس طریقہ کار کو وہ تفہیمی (Hermeneutical) قرار دیتے ہیں۔[1]

قدیم مفسرین کا قرآن مجید کی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ہمیشہ یہ اسلوب رہا ہے کہ وہ تفسیر میں انتہائی محتاط رویے کا اظہار کرتے ہیں۔ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے داعیین کی تعبیر نو کا انداز محتاط نہیں بلکہ دلیرانہ ہے۔شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ وہ مفسرین کے ناقد ہیں اور حق کی جستجو میں ردعمل کا شکار ہیں۔ مفسرین کی تفاسیر اگرچہ ان کے خصوصی رجحانات کی حامل ہیں اور انہوں نے بھی تفاسیر کی روشنی میں اپنے وقت کے غلط تصورات اور فرقوں کا رد کیا ہے لیکن انداز و اسلوب ایسا سطحی نہیں جیسا حقوق نسواں کی تفسیر نو میں ہے۔ مفسرین کا مقصود حق کی راہنمائی معلوم ہوتا ہے، جب کہ حقوق نسواں کا مقصود اسلام کو پچھاڑنا محسوس ہوتا ہے۔

دیگر مفسرین نے تفاسیر لکھتے ہوئے ایسے اصول تفسیر ذکر کئے ہیں کہ جن کو وہ ترجیح دیتے ہیں اور جن کی وہ اتباع کرتے ہیں۔ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے لئے کوئی طے شدہ ضابطہ، قانون اور اصول نہیں ہے۔ یہ اصول و قیود پابندیوں سے بغاوت کا رنگ رکھتے ہیں اور آزادی فکر کے نام سے اسے مستحسن جانتے ہیں کہ اصول و قواعد کا پابند نہ رہا جائے۔ ان کی تعبیر نو میں ایک ہی اصول ہر جگہ کارفرما نظر آتا ہے کہ قرآنی احکامات میں عورت کے لئے تخصیص کریں یا تعمیم، بہر حال اسے مرد کے برابر ٹھہرانا ہے۔ کہیں عورت کے لئے استثناء ہو تو اسے عام کر دیں گے اور کہیں پر عام ہے تو اسے اس طرح خاص لیا جائے کہ عورت کی مساوات ظاہر ہو۔ ان کا اسلوب یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے طے شدہ نظریات کے لئے قرآنی آیات کو دلیل بنانے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔اس لئے ان کی تعبیر نو اصلاح کا نہیں بگاڑ کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ کہیں اپنے مطلوبہ مقاصد کے لئے حکم عمومی کے لئے شان نزول کو لازم کرتے ہیں اور کہیں اسے معدوم کرتے ہیں۔ کہیں سیاق وسباق سے مدد لیتے ہیں اور کہیں اُسے ردّ کرتے ہیں۔

حقوق نسواں کی تعبیر نو کا اصل ہدف مساوات، ترقی اور حقوق ہیں اور اسی کو وہ قرآن سے اخذ کرنا چاہتے ہیں۔ 1994ء کو قاہرہ میں خواتین کی جو عالمی کانفرنس ہوئی اس کا عنوان بھی یہی تھا۔ یہی حقوق انسانی مغربی قانون کا ہدف ہے۔ تعبیر نو کے حاملین کے مقاصد ان کی تحریروں سے نمایاں ہیں۔ یہ مسلمانوں کو مسلمانوں کی بساط پر اُن ہی کے مہروں سے انہیں شکست دینے کی ایک انتہائی ہیبت ناک اور ہولناک سازش ہے۔ ان خیالات کا اظہار امریکہ میں رہائش پذیر مسلم خواتین نے ایک خواتین کانفرنس میں علی الاعلان کیا کہ وہ اب علما کو ان کی بساط پر ان کے مہروں سے شکست دینے کا تہیہ کرتی ہیں۔[2]

1 حیفا جواد، مسلم تحریک نسواں، ترجمہ خورشید ندیم: ص18، معاصر اسلامی فکر۔ ادارہ برائے تعلیم و تحقیق، اسلام آباد، 2000ء

2 وارث میر، پروفیسر، کیا عورت آدھی ہے: ص111؛ نگارشات لاہور، طبع دوم، 1989ء

عورت کی پیدائش

عورت کی پیدائش کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ﴾[1]

''اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کی بیوی بنائی۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔''

ائمہ مفسرین کے نزدیک اس آیت میں نفس واحدہ سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور نفس واحدہ کے زوج سے ان کی بیوی حوا علیہا السلام مراد ہیں پھر ان دونوں کے ملاپ سے بنی نوعِ انسان پیدا ہوئی۔[2] لیکن حقوق نسواں کے داعیین نفس واحدہ سے مراد وہ پہلا جرثومہ حیات لیتے ہیں جو سمندر کے کنارے کی کائی میں آج سے اربوں سال پہلے پیدا ہوا تھا اور "خلق منها زوجها" سے مراد اس جرثومہ کے دو ٹکڑوں میں بٹ جانا ہے پھر ان دونوں ٹکڑوں کے امتزاج سے اللہ نے بہت سی خلقت پھیلا دی۔[3]

انہوں نے اس تاویل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پیدائش کے لحاظ سے مرد و عورت دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ ائمہ مفسرین اس غیر ضروری تاویل کو قرآن سے انحراف قرار دیتے ہیں، اور لکھتے ہیں:

① آج بھی جراثیم کی پیدائش کا سلسلہ اسی طرح چل رہا ہے کہ ایک جرثومہ کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں پھر ان دونوں میں سے ہر ایک کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ بدستور آگے چلتا ہے اور ان میں امتزاج ہوتا ہی نہیں ہے۔

② قرآن نے لفظ زوج کا استعمال کیا ہے یعنی نسل انسانی توالد و تناسل کے واسطہ سے آگے بڑھی ہے لہٰذا ان دو ٹکڑوں میں سے کسی پر بھی ایک دوسرے کے لیے زوج کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا۔[4]

③ ان وجوہ کی بنا فکر جدید کی بحیثیت پیدائش مرد و عورت کے یکساں حیثیت ثابت کرنے کی دلیل درست معلوم نہیں ہوتی۔

'مساوات مرد و زن' کے حمایتی ایک اور مفسر ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ سے "خَلَقَ مِنْ جِنْسِهَا زَوْجَهَا" مراد

---

1 سورة النساء:4 :1

2 سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور :2/155، مکتبہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان؛ ابن کثیر، عماد الدین اسماعیل القرشی، تفسیر القرآن العظیم:1/743، مؤسسۃ الریان، الریاض، طبع اول، 1988ء؛ کیلانی، عبد الرحمن، تیسیر القرآن:1/344 ، مکتبہ السلام، لاہور، طبع دوم، 1428ھ

3 پرویز، غلام احمد، طاہرہ کے نام خطوط: 30، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، طبع چہارم، 1979ء

4 کیلانی، عبد الرحمن، آئینہ پرویزیت :ص194، مکتبہ السلام، لاہور، طبع سوم، 2001ء

لیتے ہیں اور قرآنی تفسیر کو نسوانی نقطہ نگاہ سے ہم آہنگ کرتے ہوئے اور عصر حاضر کے تقاضے نبھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "یہاں "منھا" سے مراد "من جنسھا" ہے یعنی خدا نے جس مادہ سے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اس مادہ سے حوا علیہا السلام کو بھی پیدا کیا۔"[1]

نسوانی نقطہ نگاہ سے تعبیر نو کی علمبردار امینہ ودود نے تخلیق میں مساوات مرد وزن ثابت کرنے کے لیے ایک اور رستہ تلاش کیا ہے۔ وہ اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے اسی آیت کو پیش کرنے کے بعد اس آیت میں آنے والے تین لفظ جدا کرتی ہیں "من" اور "نفس اور "زوج"۔ ان کے نزدیک "مِنْ "کے دو معانی ممکن ہیں۔ ایک تو یہ 'سے' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اِس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک چیز کسی دوسری چیز سے حاصل ہو رہی ہے۔ دوسرے معنی "اس کی مثل" بھی ہوسکتے ہیں۔ جب کہ "من" کبھی مثل کے معنی میں نہیں آتا لیکن امینہ اسی معنی کو ترجیح دیتی ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کریں تو مساوات مرد وزن ثابت نہیں ہوتی۔ اب اِسے تفسیر کہیں یا تعبیر یا تحریف؟ اور امینہ اگر اس آیت میں آنے والے "من" کو 'سے' کے معنی سے تعبیر کریں تو انہیں عورت کو کمتر ماننا پڑے گا اور یہ ان کی فکر کے خلاف ہے۔

دوسرا لفظ وہ "نفس" لیتی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ نفس لفظ انسان کی عمومی اساس کو بیان کرتا ہے۔ یہ صرف آدم علیہ السلام کا ہی ذکر نہیں کرتا حوا علیہا السلام بھی اس میں شامل ہے کیونکہ یہ لفظ نہ تو مرد ہے نہ عورت اور اس سے مراد تو انسان ہے لہٰذا اس حیثیت سے دونوں مساوی ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ قرآن کہیں نہیں کہتا کہ تخلیق کا عمل آدم علیہ السلام سے شروع ہوا جو ایک مرد ہے۔ "وخلق منھا زوجھا" سے شاید وہ یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آدم علیہ السلام نے حوا علیہا السلام سے جنم لیا ہے اور حوا علیہا السلام نے بھی آدم علیہ السلام سے ۔ اس کے علاوہ تو کوئی واضح مفہوم نہیں ہے کہ ان کا نفس سے آدم علیہ السلام کی بجائے انسان مراد لینے کا کیا مطلب ہے۔ تیسرا لفظ زوج ہے، زوج کے بارے میں وہ لکھتی ہیں:

"زوج کا لفظ بھی مرد وزن دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لہٰذا مساوات مرد وزن ثابت۔ مرد عورت کا زوج اور عورت مرد کا زوج۔"[2]

امینہ ودود اس لیے تاویلی طریقہ اختیار کرتی ہیں تاکہ قرآن کے مفہوم کو اس کے عمومی مروجہ معنٰی سے پھیر لیا جائے اور حقوق نسواں کی تحریکوں کا منشا پورا کر دیا جائے۔ قرآن کے منشا اور مقصود تک رسائی کے لیے لازم ہے کہ ذہن کو تعصبات سے آزاد رکھا جائے اور انسانی تصورات و نظریات کی پختگی اور استحکام کے لیے قرآن سے دلائل تلاش کرنے کی بجائے مقصود شریعت اور احکام الٰہی کی مراد تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

1 وحید الدین خان، مولانا، عورت معمار انسانیت: 26 دار التذکیر، لاہور، 2006ء

2 Amina Wadud ,Quran & Women, USA: Oxford university, Perss, 1999, p.20,29

مرد کی حاکمیت

طبقہ نسواں کے تاویلی اسلوب کے لیے جتنی مشکل اس آیت کی بدولت پیدا ہوئی اتنی مشکل کسی اور آیت کے سبب نہیں، کیونکہ اس آیت کا کچھ حصہ نہیں بالکل مکمل اور طویل آیت مرد کی عورت پر نگہبانی اور حاکمیت کو ثابت کر رہی ہے اور عورت کو مرد کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم دے رہی ہے۔اس آیت کا ہر ہر جملہ ان کے لیے ایک نئی مشقت لیے ہوئے ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ ﴾[1]

”مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اپنے اموال سے (بیوی بچوں پر) خرچ کرتے ہیں۔پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمانبردار ہیں اور مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں مال و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں ۔اور جن عورتوں سے تمہیں نافرمانی کا ڈر ہے تو انہیں سمجھاؤ، انہیں خوابگاہوں میں الگ رکھو اور انہیں زدوکوب کرو۔پھر اگر وہ فرمانبردار بن جائیں تو ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کی قوامیت کے درج ذیل پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے:

① مرد کے عورت پر قوام یا حاکم ہونے کی دو وجوہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں:

(i) ایک یہ کہ مردوں کو عورتوں پر (بلحاظ جسم و قوت) فضیلت حاصل ہے۔

(ii) دوسرے اس لیے کہ بیوی بچوں پر اخراجات کی ذمہ داری مردوں پر ہے۔

② نیک عورتوں کی بھی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔

(i) ایک یہ کہ وہ مردوں کی فرمانبردار ہوتی ہیں۔

(ii) دوسرے مرد کی غیر موجودگی میں اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔

③ اور سرکش عورتوں کے لیے بتدریج تین اقدامات بتلائے گئے ہیں:

(i) یعنی پہلے انہیں زبانی سمجھایا جائے۔

(ii) اگر باز نہ آئیں تو پھر ان سے مرد الگ رہیں۔

(iii) اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مار کر درست کریں۔اگر وہ اصلاح کر لیں تو سب باتیں چھوڑ دیں اور انہیں ایذا نہ دیں۔

---

1 سورة النساء:4: 34

اس پوری آیت میں مردوں کی عورتوں پر بالادستی کا ذکر ہے اور اس آیت کا ہر حصہ دوسرے کی بھرپور تائید کر رہا ہے۔ معروف و معلوم تفسیری فہم پر تنقید کرتے ہوئے مساوات مرد وزن کے قائلین لکھتے ہیں:

① مروّجہ تراجم سب غلط ہیں کیونکہ یہ عربی تفسیروں کا ساہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

② عربی کی تفسیریں بھی غلط ہیں کیونکہ وہ روایات کی تائید میں لکھی گئی ہیں۔

③ اور روایات بھی سب غلط ہیں اگر یہ صحیح ہوتیں تو رسول اللہ کو چاہیے تھا ایک مستند نسخہ اُمت کے حوالے کر جاتے جیسا کہ قرآن حوالے کر گئے تھے۔ لہٰذا اس آیت کا مفہوم یا تراجم یہ تفسیریں خواہ کسی زبان کی ہوں، اور یہ روایات جو پیش کرتی ہیں، سب کچھ یکسر غلط ہے۔ [1]

اس کے بعد آیت کی درست تعبیر کرتے ہیں جس کے نکات درج ذیل ہیں :

① اس آیت میں بات میاں بیوی کی نہیں بلکہ معاشرہ کے عام مردوں اور عام عورتوں کی ہو رہی ہے۔

② "قام الرجل علی النساء" کے معنی مرد نے عورت کو روزی مہیا کی اور یہ مرد کی ذمہ داری ہے، اس میں فضیلت کی کوئی بات نہیں۔

③ ﴿فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کے معنی ایک کی دوسرے پر فضیلت ہے۔ مرد کی عورت پر اور عورت کی مرد پر۔ مرد اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے افضل اور عورت اپنے دائرہ کار کے لحاظ سے افضل ہے۔" [2]

گویا فکر جدید نے آیت مندرجہ بالا کے پہلو نمبر (1) سے مرد کی افضلیت یا حاکمیت کو یوں خارج کر کے طبقہ نسواں کو خوش کر دیا۔ اب سوال یہ ہے:

☆ اگر سب تراجم، تفسیریں اور روایات غلط ہیں تو مجوزہ تشریح کی صحت کی کیا دلیل ہے؟

☆ لغوی لحاظ سے بھی قوام کا معنی رزق مہیا کرنے والا نہیں بلکہ قائم رہنے یا رکھنے والا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾ [3] "ہمیشہ انصاف پر قائم رہو۔"

اور امام راغب رحمۃ اللہ علیہ (502م) ﴿قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ کا معنی حاکم اور محافظ بیان کرتے ہیں۔ [4] اور صاحب 'المنجد' اس کا معنی 'خوبصورت قد والا' معاملہ کا ذمہ دار' کفیل' معاملہ کی ذمہ داری پوری کرنے پر قادر، امیر بتاتے ہیں۔ [5]

1 طاہرہ کے نام خطوط:54؛ مفہوم القرآن:1/188

2 ایضاً

3 سورۃ النساء:4: 135

4 راغب، اصفہانی، مفردات القرآن، ترجمہ و حواشی، فیروز پوری، محمد عبدہ الفلاح: ص373، مکتبہ قاسمیہ، لاہور

5 لوئیس معلوف، المنجد: مادہ ق وم: ص728، مکتبہ قدوسیہ، لاہور

جدید فکر نے خود بھی "قام الرجل المرأة" کے معنی مطالب الفرقان میں " مرد نے عورت کی کفالت کی، اس کی ضروریات کو پورا کیا اور ان کا ذمہ دار ہوا۔" کے لیے ہیں۔[1] گویا اس لفظ میں رزق مہیا کرنے سے زیادہ ذمہ داری اور نگہداشت کا پہلو نکلتا ہے اور یہی بات علما کہتے ہیں۔ کون کس پر افضل ہے اس بات کا جواب اب خود اسی آیت میں ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ﴾ کے ساتھ ہی 'بِمَا' آیا ہے جو ایک تو اس کی وجہ بیان کر رہا ہے اور دوسرے یہ وضاحت کر رہا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت کی دوسری وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ مرد عورت کے ذریعہ معاش کا وسیلہ ہے لیکن فکر نو کا یہ کہنا ہے کہ "یہ معیار تمہارا اپنا پیدا کردہ ہے۔ اللہ نے ایسا نہیں کہا۔"[2] پھر فٹ نوٹ میں لکھتے ہیں:

" اگر یہ اُصول صحیح مان لیا جائے کہ کمانے والوں کو کھانے والوں پر فضیلت ہوتی ہے تو بڑے بڑے مدبرین، مفکرین اور ایجادات کرنے والوں پر کاشتکاروں کو ہمیشہ فضیلت ہونی چاہیئے اور میدان جنگ میں لڑنے والوں کا درجہ مزدوروں سے بہت نیچا ہونا چاہیے کیونکہ، مفکر، مدبر اور سپاہی اناج پیدا نہیں کرتے۔"[3]

معمولی غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ ایسے نہیں جیسا کہ فکر جدید نے سمجھا ہے، کیونکہ کاشتکار زر نقد وصول کر کے اپنا غلہ بیچ دیتا ہے۔ جب اس نے پورا عوض لے لیا تو اب فضیلت کی کیا بات باقی رہ گئی اور یہی حال مزدور کا ہے۔ لیکن خاوند اخراجات کے عوض بیوی سے کیا لیتا ہے؟ اولاد کے حصول کی خواہش مرد و عورت دونوں میں کم و بیش ایک جیسی ہوتی ہے۔ اب مرد کا عورت پر خرچ کرنا فضیلت نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس فضیلت کی اصل وجہ یہ ہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اور خاوند غریب ہو تب بھی اخراجات کی ذمہ داریاں مرد ہی کے ذمہ رہیں گی الا یہ کہ عورت اپنی خوشی اور رضامندی سے کچھ خرچ کرے اور یہ اس کا احسان ہوگا۔

آیت میں وارد ﴿ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ کے الفاظ سیدھا سیدھا مرد کو عورت کی کفالت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کہ مرد اپنے مال عورتوں پر خرچ کریں کہ یہی فطرت ہے، لیکن اگر تعبیر نو کے حامی بھی اس جملے سے یہی مطلب اخذ کریں تو انہیں عورت کو مرد کا دست نگر ماننا پڑے گا جو ان کے مساوات مرد وزن کے نظریہ سے متصادم ہے لہٰذا جدید ذہن کے حاملین عورت کو معاش کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بعض باتوں میں مردوں کو برتری حاصل ہے اور بعض میں عورتوں کو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں اپنے آپ کو اپاہج بنا کر مردوں کی کمائی کو تکتی رہیں اور خود کچھ نہ کریں۔ انہیں چاہیے کہ خدا سے زیادہ سے زیادہ

1 پرویز، غلام احمد، تفسیر مطالب الفرقان: ص364، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، طبع اول، نومبر 1979ء
2 طاہرہ کے نام خطوط: 39
3 ایضاً

معاشی اکتساب کی توفیق مانگیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کر سکتی ہیں۔"[1]

در حقیقت عورت کو معاش کی راہ پر ڈالنا ہی طبقہ حقوق نسواں کا اصل ہدف ہے۔ اس ہدف کو پورا کرنے کے لیے وہ ہر طرح کے مفہوم اخذ کر لیتے ہیں، ورنہ ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ کے الفاظ صاف طور پر عورت کو معاش کی ذمہ داری سے آزاد کرتے ہیں۔ اس آیت سے عورت کے معاش کے لیے استدلال نہایت دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔[2]

"قوام" کی بحث کرتے ہوئی فکر جدید کے ایک اور مفسر "قوام" کا ترجمہ 'حاکم' کا رد کرتے ہوئے اس کا ترجمہ 'سربراہ' اور 'کار فرما' کرتے ہیں لیکن جب وہ دیکھتے ہیں کہ سربراہ اور کار فرما سے بھی مرد کی برتری باقی رہے گی تو پھر وہ اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے مرد کو سربراہ خاندان اور عورت کو سربراہ خانہ بناتے ہیں تاکہ مساوات قائم ہو سکے۔ وہ فرماتے ہیں:

"معاشی ذمہ داری چونکہ مرد پر ہے۔ اسی طرح بیرونی معاملات کا سلجھانا بھی اِسی کا فریضہ ہے۔ اسے خاندان کا سربراہ ہونا چاہیے۔ اور عورت گھر کے اندرونی معاملات کی ذمہ دار ہے لہٰذا اُسی کو سربراہ خانہ ہونا چاہیے۔"[3]

مرد کو سربراہ خاندان اور عورت کو سربراہ خانہ بنا دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر گھر میں داخل ہو کر مرد عورت کے تابع ہو چلے اور گھر سے باہر عورت مرد کے تابع چلے تو قوامیت ثابت ہو جائے گی یا مساوات؟ اسی نوعیت اور اسی انداز کو فکر جدید کے اکثر حاملین نے اپنایا ہے جو کہ مرد کی فضیلت کے انکار کے کئی رخ لیے ہوئے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں زیر بحث کلی فضیلت نہیں ہے۔ بلکہ مرد کی فضیلت کا ایک پہلو بیان ہوا ہے۔ بعض دوسرے پہلو عورت کی فضیلت کے بھی ہیں۔"[4]

امینہ ودود مرد کی قوامیت پر ایک اور پہلو سے تنقید کرتی ہے کہ مرد کی قوامیت و فضیلت مرد کے عورتوں کے کفیل بننے کی وجہ سے ہے۔ اگر یہ وجہ باقی نہ رہے تو پھر وہ ہر قسم کی فضیلت کا انکار کرتی ہیں۔[5] امینہ کا یہ نقطہ قابل غور ہے کیونکہ دورِ جدید کی مغربی تہذیبی یلغار کے نتیجہ میں جہاں عورت معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہے وہاں اُس کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا اور مرد کا اُس پر اپنی فضیلت منواتے ہوئے اپنے حقوق کے لیے عورت کو مجبور کرنا اللہ کے دیے ہوئے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔ حق وہی طلب کر سکتا ہے جو اپنی ذمہ

---

1 پرویز، غلام احمد، مفہوم القرآن: 1/ 187 ادارہ طلوع اسلام، لاہور؛ مطالب الفرقان: 4/ 317

2 آئینہ پرویزیت: ص 195

3 عمر احمد عثمانی، فقہ القرآن: 3/ 77، ادارہ فکر اسلامی، کراچی، طبع اول، 1982ء

4 غامدی، جاوید احمد، قانون معاشرت: ص 30، المورد، ادارہ علم و تحقیق، لاہور، طبع دوم، اگست 2006ء

5 مسلم تحریک نسواں اور اسلام: ص 27

داریاں پوری کرے۔ اگر مرد بھی اپنی فضیلت کا غلط فائدہ اٹھائے تو اللہ نے آیت کے آخر میں جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ بھی اُن مردوں کے پیش نظر رہنے چاہییں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴾ "بلاشبہ اللہ کی ذات بلند وبالا اور بڑی ہے۔" مردوں کو بھی جان لینا چاہیے کہ ان کی فضیلت سے افضل بھی کوئی ہستی ہے۔

امینہ ودود کے اس استدلال کو کئی مفکرین نے سراہا ہے اور اس کی حمایت کی ہے۔ اسی ضمن میں ایک ماہر قانون کہتے ہیں:

> "جہاں عورت ہی سب کچھ کما کر لاتی ہے، بھائی نکھٹو ہے، باپ کچھ نہیں کرتا یا اپاہج بیمار ہے، ماں ان پڑھ ہے۔ سارا بوجھ بہن پر ہے تو ایسی لڑکی کا لڑکے سے آدھا حصہ ناانصافی اور زیادتی ہے اور شریعت کا غلط فہم ہے۔ ہمیں اپنا قانون وراثت بدلنا ہوگا اسی طرح اگر ایک گھر میں بیوی خاوند کے ساتھ معاش کی ذمہ داریوں میں شریک ہے تو پھر مرد کی فضیلت کا دعوی بے بنیاد ہے۔"[1]

لیکن یہاں ان جدید مفکرین کا مرد کی اَفضلیت کے لیے صرف ایک وجہ 'کفالت' بیان کرنا درست نہیں، کیونکہ آیت کے پہلے حصے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کی عورت پر افضلیت کی یہ دوسری وجہ بیان کی ہے۔ 'وبما' کا واؤ حرف عطف ہے جو مرد کی جسمانی اور ذہنی برتری کی طرف اشارہ کر رہا ہے لیکن یہ بات درست ہے کہ اس سے صنفی برتری مقصود نہیں۔ ﴿ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ بھی مرد کے لیے فضیلت مطلق کا اثبات نہیں کرتا، کیونکہ اس میں فضیلت جانبین کی طرف اشارہ ہے۔ کئی مفکرین نے یہاں فضیلت سے مراد وہ اضافی استطاعت (Additional Cahasility) لی ہے جو مرد میں معاشی اہلیت کو دو چند کرتی ہے جس کے مطابق مرد کو تخلیق میں جسمانی برتری دی گئی ہے کہ وہ بیرونی سختیوں کو سہنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے کہ تاکہ وہ معاشی جدوجہد کی مشکلات کو برداشت کرے اور اپنے اہل خانہ کے لیے رزق حاصل کرے۔[2]

مرد اور عورت کے تخلیقی نظم کے مطابق عورت کو بنیادی طور پر گھر کے داخلی نظام کو سنبھالنا ہے۔ اسے اگلی نسل کے افراد کو تیار کرنا ہے۔ اس بنا پر عورت کے اندر بھی کچھ اضافی خصوصیت (Additional quality) رکھی گئی ہے مثلاً نرمی اور انفعالیت۔ اگر دونوں ایک دوسرے کی استعداد کار کو سمجھیں اور ایک دوسرے کو برابر احترام دیں اور مزاحمت کی بجائے موافقت کی راہ اپنائیں تو اپنے گھر کو بھی جنت بنا سکتے ہیں اور معاشرے کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ مردوں میں مردانگی کا جوہر انتہائی قیمتی ہے جو تنظیمی اور معاشی میدان میں مرد کو حاکم بناتا ہے اور غلبہ عطا کرتا ہے۔ جن قوموں میں مردانگی کا جوہر ختم ہو جاتا ہے وہ قومیں مغلوب ہو جاتی ہیں۔ بنی

1 جاوید اقبال، ڈاکٹر، اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب حریف یا حلیف (انٹرویو)، مرتب، افضال ریحان: 75، دار التذکیر، لاہور، 2004ء

2 عورت معمار انسانیت: ص 10

اسرائیل کا زوال بھی مردوں کی موت اور عورتوں کی بقا پر مبنی تھا۔[1]

آج مسلمانوں کا زوال اگر مردوں کی موت نہیں تو مردانگی کی موت پر منحصر ہے۔ مسلمانوں میں مردانہ جوہر زوال پذیر ہے۔ اگر آج بھی مسلمان اپنے میں مردانگی کو فروغ دیں اور دنیا میں غالب ہو کر دکھائیں تو فضیلتوں میں عدم توازن حقیقی اور اصلی توازن میں بدل جائے اور اسلامی قوانین کی ابدیت مسلمانوں کے عمل سے ثابت ہو جائے۔

عورت کی فرمانبرداری

اب اس آیت کے دوسرے حصہ کی طرف آیئے جو یہ ہے:

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾[2]

"پس جو نیک عورتیں ہیں تو وہ فرمانبردار ہیں اور مردوں کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت میں اپنے مال و آبرو کی خبرداری کرتی ہیں۔"

تعبیر نو کے حامل مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ لفظ ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مردوں کے مالوں سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں گی۔ اور قٰنِتٰتٌ کے معنی بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو اس مصرف میں لائیں جس کے لیے وہ خاص صلاحیتیں پیدا کی گئی ہیں۔[3] (قٰنِتٰتٌ) کے یہ معنی بھی معروف معنی کے خلاف ہیں۔

علاوہ ازیں وہ ﴿ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یعنی جب اللہ کے قانون نے جس طرح عورتوں کی حفاظت (پرورش) کا سامان بہم پہنچا دیا کہ وہ اس چیز کی حفاظت کر سکیں جو پوشیدہ طور پر ان کے سپرد کی گئی ہے (یعنی جنین کی حفاظت)[4] ان کے نزدیک آیت کا درست اور صحیح مفہوم یہی ہے نہ کہ کوئی اور۔

مزید "قٰنِتٰتٌ" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے شوہر کی فرمانبرداری مراد لینا غلط ہے۔ اس سے مراد اللہ کی فرمانبردار عورتیں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر "قانتین" کا لفظ بھی "قانتات" کے ساتھ آیا ہے چونکہ وہاں مراد اللہ کے فرمانبردار مرد اور عورت ہیں لہٰذا اس آیت میں بھی (قٰنِتٰتٌ) سے مراد اللہ کی فرمانبردار عورت ہی لی جانی چاہیے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ کیا کسی نے قانتین سے

---

1 سورۃ البقرۃ:2: 49
2 سورۃ النساء:4: 34
3 مطالب الفرقان: 3/364
4 طاہرہ کے نام خطوط : 55

مراد عورتوں کے فرمانبردار مرد لیے ہیں؟ اگر نہیں تو عورتیں ہی کیوں مردوں کی فرماں بردار ہوں۔[1]

اپنی اس کوشش میں وہ آیت کے سیاق وسباق سے صرف نظر کرتے ہیں جو عورتوں پر مردوں کی قوامیت کے عنوان سے شروع ہو کر مردوں کی عورتوں پر سربراہی پر ختم ہوتا ہے۔ تعبیر نو کے اکثر حاملین نے "قٰنِتٰتٌ" کے یہی معانی لیے ہیں اور مردوں کی فرمانبرداری کے تصور کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ تعبیر ہی ان کے مزعومہ مقاصد کو پورا کرتی ہے۔[2] تعبیر نو کے حامل اپنی رائے میں پھر ترمیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر "قنتٰت" سے مراد شوہر کی فرماں بردار بیوی بھی لی جائے تو اس سے مراد خاندان کے مشترک معاملات ہیں یعنی وہ جن پر گھر کی تنظیم کا دارومدار ہے۔ ان میں آخری فیصلے کا اختیار مرد کے پاس ہے۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ عورت کلی طور پر مرد کی فرمانبردار بن کر رہے۔ عورت اپنے ذاتی معاملات میں بالکل آزاد ہے۔ اس پر کوئی حکم نہیں چلا سکتا۔ مثلاً اسے کوئی خاص کپڑا پہننے یا کوئی خاص کھانا پکانے سے نہیں روکا جا سکتا۔ اس کے مال پر دوسرے کا کوئی حق نہیں۔ اسے کوئی پیشہ اختیار کرنے یا خدمت خلق کا کوئی کام کرنے سے نہیں روکا جا سکتا گویا وہ تمام امور جو عرف میں کسی فرد کے ذاتی معاملات کہلاتے ہیں اُن میں عورت کسی مرد کے تابع نہیں، وہ اپنے ذاتی فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔"[3]

ایک دوسرے مفکر بھی عورت کی فرماں برداری سے دست کش ہونے کے بعد کچھ کچھ اُسے مانتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں:

"ہم اس کے منکر نہیں کہ عورتوں کو اپنے شوہروں کا مطیع و فرمابردار ہونا چاہیے لیکن اطاعت اطاعت میں فرق ہے۔ ایک اطاعت محکومانہ اور غلامانہ ہوتی ہے جو ایک جابر اور مطلق العنان حاکم کی کی جاتی ہے۔ اور ایک اطاعت رضاکارانہ اور مساویانہ ہوتی ہے۔ جو ایک شفیق و محب صادق کی کی جاتی ہے۔ ہم غلامانہ اور محکومانہ اطاعت کا انکار کرتے ہیں۔"[4]

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بیوی کی اطاعت محبوبانہ ہونی چاہیے تو پھر شوہر کو بھی بیوی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ آخر وہ بھی تو اس سے محبت کا دعویدار ہے۔ محبوبانہ اطاعت سے یہ فکر نو مساوات مرد وزن کا رنگ کشید کرتی ہے۔ یقیناً عائلی زندگی کا حسن و کمال اسی بات میں ہے کہ گھر کی فضا میں بیوی شوہر کی اطاعت رضاکارانہ، محبانہ، مشفقانہ، مساویانہ اور خوش دلانہ انداز سے کرے اور وہ شوہر کی فرمانبرداری اس والہانہ اُلفت سے کرے کہ

---

1 مطالب الفرقان: 365/3

2 فقہ القرآن: 69/3

3 محمد فاروق خان، ڈاکٹر، جدید ذہن کے شبہات اور اسلام کا جواب: 81، انصاری پرنٹرز، پشاور، طبع اول، 2000ء

4 فقہ القرآن: 412/3

شوہر کو اپنے سر براہانہ اختیارات کو استعمال کرنے یعنی وعظ و نصیحت، خواب گاہوں سے علیحدگی اور مار پیٹ سے کام لینے کی نوبت ہی نہ آئے، لیکن مرد کی سر براہی کا انکار ممکن نہیں۔ "قٰنِتٰتٌ" کا ایک اور مفہوم یوں بیان کیا گیا ہے:

"پہلا اہم نقطہ یہ ہے کہ لفظ "قانتات" اچھی عورت کے لیے استعمال کیا گیا ہے نہ کہ فرمانبر دار عورت اور اگر ہم قرآن کے سیاق و سباق میں ملاحظہ کریں تو یہ لفظ عورت اور مرد کے لیے یکساں طور پر استعمال کیا گیا ہے۔"[1]

نشوز

طبقہ حقوق نسواں کا کہنا ہے کہ "نشوز" کا لفظ قرآن میں مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس لیے اس آیت میں "نشوز" کو صرف عورت کے لیے خاص کرنا زیادتی ہے اور خصوصاً اس کو خاوند کی نافرمانی کے لیے استعمال کرنا زیادتی پر زیادتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"اس کا مطلب خاوند کی نافرمانی نکالنا انتہائی غلط ہے بلکہ اس کا اصل مقصد شادی شدہ جوڑے میں چپقلش سے لینا زیادہ درست ہو گا۔"[2]

باہمی اطاعت کی طرح باہمی نافرمانی بھی ثابت ہو گئی اور مرد و زن برابر ہو گئے، لیکن پھر بات بن کر بھی بنی نہیں کیونکہ "نشوزھن" کی ضمیر جمع مونث کی ضمیر ہے جو عورتوں کی سرکشی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ سچی بات ہے کہ یہ قرآن کی تشریح کے ساتھ مذاق ہے۔

آیت زیر بحث میں، فکر جدید کی تعبیر نو نے ایک اور سوال یہ اٹھایا ہے کہ عورتوں کو وعظ و نصیحت کرنے، انہیں ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دینے اور ان کی مار پیٹ کے احکام کا مخاطب کون ہے؟ فکر جدید کا خیال ہے:

" یہاں خطاب میاں بیوی کو نہیں بلکہ جماعت کو ہے خود آیت مذکورہ بالا میں بات میاں بیوی کی نہیں ہو رہی ہے بلکہ نوعِ انسان کی دو اصناف یعنی صنفِ رجال اور صنف نساء کی بات ہو رہی ہے قرآن نے اس آیت میں دونوں اصناف کے فرائض بتائے ہیں... گھر کا بڑا بزرگ، خاندان کا سربراہ، حاکم مجاز، باپ، بھائی سب اس خطاب میں آجاتے ہیں کہ وہ اوّل عورت کو نصیحت کریں، اسے اس کے سونے کے کمرے میں تنہا چھوڑ دیں، ان باتوں سے اصلاح نہ ہو تو جسمانی سزا دیں جو اذیت رساں نہ ہو۔"[3]

فکر جدید کے ایک اور مفکر فرماتے ہیں کہ

" یہاں گفتگو میاں بیوی کے متعلق نہیں ہو رہی ہے۔ عام مردوں اور عورتوں کے فرائض سے متعلق ہو رہی

---

1 شبانہ عارف، توان کے خلاف جواز نہ ڈھونڈو،، مبارزہ (نیوز لیٹر): ص 15

2 فقہ القرآن: 3/412

3 فقہ القرآن: 3/81-82

ہے... اگر عورتوں نے مرد بننے کے چاؤ میں بلا عذر اپنے فرائض کو چھوڑ دیا تو نسل انسانی کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے گا۔ اس کے لیے کہا گیا کہ معاشرہ ایسا انتظام کرے کہ پہلے تو اس قسم کی عورتوں کو سمجھانے بجھانے کی کوشش کی جائے کہ ان کی یہ روش معاشرہ کے لیے کس قدر تباہی کی موجب ہے، اس انتباہ پر بھی اگر باز نہ آئیں تو پھر انہیں ان کی خوابگاہوں میں چھوڑ دیا جائے یہ ایک قسم کی نظر بندی (Internment) کی سزا ہو گی اور اگر وہ اس پر بھی سرکشی سے نہ رکیں تو پھر انہیں عدالت کی طرف سے بدنی سزا بھی دی جا سکتی ہے (Corporal Punishment)"[1]

سوال یہ ہے کہ آخر اس بات کی دلیل کیا ہے کہ آیت زیرِ بحث میں صیغہ کے مخاطب شوہر نہیں بلکہ افرادِ معاشرہ یا حکامِ معاشرہ ہیں؟ اس سوال کے جواب میں وہ اپنی تائید میں اگلی آیت 35 کو پیش کرتے ہیں جس میں منتظمین کو بصیغہ جمع اور میاں بیوی کو بصیغہ تثنیہ لایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾[2]

"اور (اے حاکمو) اگر تمہیں ان دونوں (یعنی میاں بیوی) کی مخالفت (یا مقابلہ) کا خوف ہو تو تم ایک منصف میاں کے اہل سے اور ایک منصف بیوی کے اہل سے کھڑا کرو۔"

انہوں نے اس آیت کے بعد والی آیت سے یہ دلیل پکڑی ہے جب کہ سیاق کلام میں ماقبل کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ آیت نمبر 35 میں تو داخلی کوششوں کے بعد خارجی کوششوں کا ذکر ہے اور اہل خانہ ابتداً دوسروں کو اپنے داخلی معاملات میں شامل نہیں کرتے اور نہ ہی انہیں کرنا چاہیے۔[3] علاوہ ازیں نزول قرآن سے لے کر آج تک تمام علما، فقہا، محدثین، مترجمین و مفسرین قرآن زیر بحث آیت میں مذکور احکام ثلاثہ کا مخاطب شوہر حضرات ہی کو سمجھتے رہے ہیں۔[4]

امت کے اتفاقی فکر سے انحراف کی صورت میں طبقہ نسواں نے یہ نئی فکر اختیار کی ہے۔ اس نئی فکر کو اپنانے میں کئی اور احتمالات اور سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا تسلی بخش جواب ان کے ذمہ قرض ہے۔ شوہر کی جگہ باپ، بھائی اور افراد معاشرہ کو دینے سے سوالات کا نیا تسلسل شروع ہو گا:

1. ان احکامِ ثلاثہ میں سے ایک حکم یہ ہے کہ ﴿ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ ﴾ (عورتوں کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو)۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کے مخاطب وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو عورتوں کے شریکِ بستر ہوں۔ عورتوں کی طرف سے نشوز اور نافرمانی کی صورت میں انہیں ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دینے کی سزا اُن کے شوہر

---

1 طاہرہ کے نام خطوط: 57-58؛ مطالب الفرقان: 3/363
2 سورة النساء:4: 35
3 فقہ القرآن: 3/81
4 صدیق بن حسن بن علی الحسینی، فتح البیان فی مقاصد القرآن، القنوجی: 3/108، احیاء التراث الاسلامی، قطر

ہی دے سکتے ہیں۔ کوئی بھائی باپ یا بیٹا، اپنی بہن، بیٹی یا ماں کا شریکِ بستر نہیں ہوا کرتا کہ انہیں نشوزِ نسواں کی صورت میں اس حکم کا مخاطب قرار دیا جائے۔ اس لیے آیت زیرِ بحث میں ان احکامِ ثلاثہ کے مخاطب بالیقین شوہر حضرات ہی ہیں نہ کہ کچھ اور لوگ۔

رہا فکرِ جدید کا یہ فرمان کہ "عورتوں کو ان کی خوابگاہوں میں چھوڑ دینا ایک قسم کی سزائے نظر بندی ہے۔"[1] تو یہ حقیقتِ نفس الامر کی بڑی ناقص اور ادھوری تعبیر ہے۔ اگر اس سے مراد محض "سزائے نظر بندی" ہوتی تو قرآن ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ کی بجائے "واهجروهن في البيوت" کی تعبیر اختیار کرتا جیسا کہ اتیانِ فاحشہ کی صورت میں سورۃ النساء آیت 15 میں "فامسكوهن في البيوتِ" کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے قرآن نے یہی تعبیر اختیار کی اس لیے درست یہ ہے کہ ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ کے حکم میں سزائے نظر بندی سے کہیں زیادہ شدت و غلظت پائی جاتی ہے کہ عام نظر بندی میں میاں بیوی شریک بستر ہونے کی راحت سے محروم نہیں ہوتے مگر یہاں یہ راحت بھی مفقود ہے۔

(۴) رہا یہ امر کہ "اس آیت سے متصل بعد والی آیت میں جمع حاضر کے صیغوں سے افراد معاشرہ یا حکامِ معاشرہ کو خطاب کیا گیا ہے اور زوجین کا ذکر تثنیہ غائب کے صیغوں میں کیا گیا ہے اس لیے آیت زیرِ بحث میں بھی حاضر کے صیغوں سے جن لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے وہ شوہر حضرات نہیں بلکہ دیگر افراد خانہ یا حکام معاشرہ ہیں۔ تو یہ ایک نہایت ہی کمزور دلیل ہے جسے پیش کرتے ہوئے گویا یہ پہلے سے طے کر لیا گیا ہے کہ بیوی کی نشوز کی صورت میں شوہر کو کوئی ایسا موقع سرے سے دینا ہی نہیں ہے جس میں وہ اپنی ازدواجی زندگی کے بگاڑ کو خود درست کر سکے حالانکہ یہ بات قطعی طور غلط ہے۔ بیوی کی سرکشی اور نافرمانی کی صورت میں قرآن پہلے خود شوہر کو 'سربراہِ خانہ' اور 'کار فرما' ہونے کی حیثیت سے یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ بیوی کو نشوز سے اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لوٹائے۔ اس مقصد کے لیے نرمی اور سختی دونوں طریقوں سے کام لینے کی شوہر کو اجازت ہے۔ سب سے پہلے وہ نرمی اور بردباری سے اسے سمجھائے بجھائے۔ اگر زنِ ناداں پر شوہر کا یہ کلامِ نرم و نازک بھی بے اثر ثابت ہو تو اس سے سخت تر رویہ اس طور اختیار کرے کہ بیوی کو اس کے بستر میں تنہا چھوڑ دے ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ اگر یہ سزا بھی اسے راہِ راست پر نہ لا سکے تو بیش از بیش جو سخت ترین رویہ وہ اختیار کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو بدنی سزا دے۔ جب شوہر کی طرف سے بیوی کو راہِ راست پر لانے کی یہ تمام تر کوششیں ناکام ہو جائیں اور بیوی اپنی سرکشی پر قائم رہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اصلاحِ احوال کا معاملہ اب زوجین کے بس سے باہر ہو چکا ہے۔ اب یہ کوشش فریقین کے علاوہ دیگر افرادِ معاشرہ یا حکامِ معاشرہ کو انجام دینی چاہیئے۔ اس لیے قرآن آیت زیرِ بحث میں اصلاحِ احوال کے لیے شوہر کو مخاطب کرتا ہے اور جب وہ ناکام ہو جاتا ہے تو قرآن اپنے روئے تخاطب کو اگلی آیت میں دیگر افراد یا حکام معاشرہ کی طرف موڑ دیتا ہے۔ یہ ہے وہ وجہ جس کی وجہ سے آیتِ زیرِ

1 مطالب الفرقان:3/368

بحث میں صیغۂ امر کے مخاطب شوہر حضرات ہیں اور اس کے بعد والی آیت کے حکم کے مخاطب افرادِ خاندان یا حُکامِ معاشرہ ہیں۔ یہی مفہوم روایتی مفسرین نے بیان کیا ہے۔[1]

تعبیر نو کے حامیوں کے تضادات حیرت انگیز ہیں۔ سورۃ النساء کی زیر بحث آیت میں احکام کے مخاطب شوہر ہیں یا دیگر افراد معاشرہ؟ یہ بات واضح ہو چکی ہے مگر تعبیر جدید کے حاملین اپنی ژولیدہ فکری اور تضاد خیالی کے سبب کہیں ان احکام کا مخاطب شوہر کو قرار دیتے ہیں اور کہیں دیگر افرادِ معاشرہ کو۔ ذیل میں ہم ان کا وہ اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں ان احکام کا مخاطب عام مردوں کی بجائے شوہروں کو قرار دیا گیا ہے:

> "اگر بیوی کی طرف سے نافرمانی اور بدسلوکی کا اندیشہ ہو تو شوہر کو چاہیئے کہ وہ بیوی کو نصیحت کرے اسے سمجھائے۔ اگر اس سے بات نہ بنے تو کچھ عرصہ اسے خوابگاہ میں تنہا چھوڑ دے اور اس سے بے تعلق ہو جائے۔ اگر وہ پھر بھی راہِ راست پر نہ آئے تو اسے معمولی سزا دی جا سکتی ہے۔"[2]

یعنی اس آیت کا مخاطب احکام معاشرہ کو ٹھہرانے کے بعد ان کو اطمینان قلبی نصیب نہیں تو خود پھر اسی موقف کی طرف لوٹے ہیں کہ جس کا پہلے انکار کر چکے تھے۔ حقوق نسواں کی تعبیر نو کے حاملین کو درج بالا آیت کا یہ حصہ نہ اگلتے بنتا ہے نہ نگلتے۔ قرآن پر اعتماد تو ہے لیکن ان الفاظ کا کیا کریں جو ان کی مساوات مرد وزن سے ٹکراتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتے۔ امینہ ودود کہتی ہیں کہ یہ آیت عورت کے خلاف شدید تشدد کی ممانعت کرتی ہے نہ کہ اُس کی اجازت دیتی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ

> "قرآن کہیں بھی عورتوں کو خاوندوں کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا۔ وہ کہیں یہ نہیں کہتا کہ خاوندوں کی اطاعت ایک اچھی عورت کی صفات میں سے ہے۔ اس اُصول پر کوئی تعلق وجود میں نہیں آ سکتا کہ نافرمانی پر مرد کو مارنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ ایسی تفسیر اپنے اندر یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ ہر دور میں قابلِ قبول ہو جب کہ وہ قرآن کے بنیادی پیغام سے بھی متصادم ہے۔"[3]

طبقہ نسواں امینہ ودود کی ذاتی آراء سے جو کچھ اخذ کرتا ہے اسے دلیل بنا کر "واضربوھن" کے معنی کو بدل کر کہیں کا کہیں لے جاتا ہے، اور قرآن کی تفسیر طبقہ نسواں کا کھلونا بن جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

> ""واضربوھن" کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ شوہر اب اپنی بیوی کو مار سکتا ہے بلکہ اس کا مقصد باہمی اتفاق شدہ پر امن حل کو تلاش کرنا ہے۔ قرآن کا مطلب آپس کی ناچاقی کو ختم کرنا ہے نہ کہ عورت پر سکہ جمانا، اگر آخری حد کی نوبت آ بھی جائے تو اس کا مفہوم ہرگز تشدد نہیں، کیونکہ وہ غیر اسلامی ہے۔"

طبقہ نسواں کی ترقی پسند جدید عورتیں تاویلی طریقے کے لالچ میں تفسیر کے علمی میدان میں قدم رکھنے میں

1 تیسیر القرآن:1/398؛ الدر المنثور :2/155 ؛ تفسیر القرآن العظیم:1/743
2 فقہ القرآن: 3/394
3 مسلم تحریکِ نسواں اور اسلام: 27

کشش محسوس کرتی ہیں اور لکھتی ہیں:

"لسان العرب کے مطابق "ضرباً" کا مطلب زبردستی یا تشدد کا استعمال نہیں بلکہ یہ قرآن مجید میں مثال بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے یا یہ لفظ کسی کے سفر پر جانے کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اس وجہ سے یہ اس فعل "ضربا" کی دوسری قسم، جس کا مفہوم ہے بری طرح مارنا، سے مکمل طور پر متصادم ہے۔"[1]

معنیٰ کو بدلنے کی کوشش کرنا اور اس کو اس حد تک الٹا معنی دینا سوائے مذمت کے کسی اور چیز کو لازم نہیں کرتا۔ مارنے کے علاوہ "مثال بیان کرنا" یا "سفر کرنا" یہ دونوں معنیٰ کسی بھی طرح سیاق وسباق کے جملے اور معنیٰ کو تکمیل نہیں دیتے۔ آخر دوسرے معنیٰ کے قبول کے لیے کوئی تو قرینہ سلیقہ ہو۔ حقیقت یہی ہے کہ ان کے اس غلط رویے نے ان کے لیے انتہائی طعن کے دروازے کھولے ہیں۔ دراصل اس طبقہ نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے کے استعمال میں غیر محتاط رویوں کا اظہار کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ "واضربوھن" کے الفاظ پر آکر یہ تمام دانش ور کوئی راہ نہیں پاتے کہ کہاں جائیں اور الزام اب بھی مفسرین کو ہی دیتے ہیں۔ "واضربوھن" کے لیے یہ جو بھی ڈکشنری دیکھ لیں، قدیم یا جدید انہیں وہی معانی ملیں گے۔

تعبیر نو کے قائل بعض اذھان "واضربوھن" کو صرف بغاوت اور فحاشی کی سزا کے طور پر جائز سمجھتے ہیں لیکن بالآخر انہیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ عورت کو سزا دی جاسکتی ہے۔[2] تاویلی طرز تفسیر کے باوجود قرآن مجید کے الفاظ اپنی جگہ رکھتے ہیں اور اپنے اندر بہت سے اسرار و حِکم لیے ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ ایک کو دوسرے پر زیادہ حق دے کر بعض امور میں زیادہ ذمہ دار ٹھہراتے ہیں نہ کہ دوسرے کی محرومی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

جنتی مساوات

قرآن کی رو سے جنتی مردوں کو اچھی عورتیں اور حوریں ملیں گی لیکن جنتی عورتوں کو کیا ملے گا؟ نسوانی نقطہ نگاہ سے تعبیر نو کے نتیجے میں اٹھنے والے سوالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نظریہ مساوات مرد وزن کے نظریہ سے متعارض ہے۔ فکر جدید نے تو یوں اپنے ذہن کو مطمئن کیا کہ اگر جنتی مردوں کو خوبصورت عورتیں ملیں گی تو جنتی عورتوں کو بھی خوبصورت مرد ملیں گے۔ یہ ذہن "حور عین" کا ترجمہ اچھی اچھی عورتیں کر کے طبقہ نسواں کی ڈھارس بندھاتا ہے اور مساوات کو یوں قائم کرتا ہے:

"فرض کرو جنت میں حامد کو عائشہ ملتی ہے تو کیا عائشہ کو حامد بطور خاوند نہ ملے گا۔"[3]

"لھم أزواج مطھرة" کی تفسیر کرتے ہوئے مغربی مسلمان عورتیں بھی یہی موقف اپناتی ہیں کہ ازواج کا لفظ

---

1 قرآن کے خلاف جوازنہ ڈھونڈو: 15

2 جدید ذہن کے شبہات اور اسلام: 82

3 طاہرہ کے نام خطوط: ص 77

مرد اور عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔[1] لیکن اس کے بعد بھی یہ تاویلی ذہن کسی ایک معنیٰ پر مطمئن نہیں اور معنیٰ کے مختلف امکانات کو سامنے لاتا ہے ان کا کہنا ہے:

" یہ استدلال اس غلط فہمی پر مبنی ہے کہ لوگوں نے اپنے آپ یہ طے کر لیا ہے کہ حوریں عورتیں ہوں گی جو جنت میں نیک مردوں کو ملیں گی حالانکہ حور کے یہ معنی صحیح نہیں۔ حور کے بنیادی معنی سفید کے ہیں چنانچہ حور ایک لکڑی کو کہتے ہیں جو سفید ہوتی ہے۔ "الحواریات" شہری عورتوں کو کہتے ہیں جن کا رنگ سفید ہو۔ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کو کہتے ہیں جو ان پر ایمان لائے، کیونکہ ان کا رنگ سفید تھا۔ وہ پیشے کے اعتبار سے دھوبی تھے جو کپڑوں کو دھو کر سفید کر دیا کرتے تھے۔ اسی مادہ سے حور اسم تفضیل کا جمع کا صیغہ ہے۔ اِس لیے حور کے معنی سفید رنگ والے مرد اور سفید رنگ والی عورتیں دونوں ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھ لینا کہ حوریں عورتیں ہی ہوتی ہیں غلط ہے۔"[2]

نسوانی نقطہ نگاہ سے کی جانے والی تفسیر کے مطابق حور کو اگر مرد سمجھ لیا جائے تو یہ قرآن پاک کی دیگر بہت سی آیات کے خلاف تفسیر ہوگی جن میں صراحتاً کلمہ حور کے لیے مؤنث کی ضمائر لائی گئی ہیں مثلاً ﴿ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴾[3] اور ﴿ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴾[4]

لہٰذا تفسیر قرآن کے اس اصول کہ "القرآن یفسر بعضه بعضًا" کو مد نظر رکھا جائے تو اس نوعیت کے بہت سے اشکالات واضح ہو جاتے ہیں اور قرآنی تعلیمات تضادات سے بچ جاتی ہیں۔ قرآن کی اس طرح کی عجیب تفسیر کرنے کے بعد یہ ذہن اپنی ندرت فکر سے خود ہی مطمئن نہیں اور تعبیر نو کے بعد خود ہی رجوع کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے:

"جنت کی زندگی کی حقیقت ماہیت اور کیفیت اس دنیا میں ہمارے شعور کی سطح سے بہت بالا ہے۔ اسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔"[5]

قرآنی آیات کے فہم کے لیے عقل کا استعمال مستحسن ہے لیکن عقل کو وحی الٰہی کے مقابل کھڑا کرنا اسلام کی حدود سے تجاوز ہے شرعی احکام ہمارے شعور کی سطح سے بہت بالا ہیں وحی الٰہی کے باب میں شعور کی کوتاہ حدود کا اعتراف عقلمندی ہے۔

1 Quran and women, p.20

2 فقہ القرآن: ص 130

3 سورة الواقعة:56: 56

4 سورة الرحمن:55: 74

5 فقہ القرآن: ص131

حق طلاق مرد کو ہے

شریعت اِسلامیہ میں طلاق ایک مکروہ چیز ہے اس لیے اللہ نے زوجین کے اختلاف کی صورت میں زوجین کو ایک ایک 'حَکَم' تجویز کرنے کا حکم دیا ہے کہ وہ امکانی حد تک ان کا باہمی اختلاف دور کر دیں اور ان میں صلح صفائی کرا دیں۔ تاہم اگر اختلافات دور نہ ہو سکیں تو آخری حق طلاق مرد کو دیا گیا ہے۔ لیکن فکر جدید اس حق کی بھی تحدید چاہتی ہے:

"اگر ثالثی بورڈ کی کوششیں ناکام رہیں اور وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ ان کی باہمی رفاقت ممکن نہیں تو وہ اپنی رپورٹ عدالت کے سامنے پیش کریں گے (اور اگر انہی کو آخری فیصلہ کا اختیار ہو گا تو خود ہی فیصلہ کر دیں گے) اس طرح معاہدہ (نکاح) فسخ ہو گا۔"[1]

اس ذہن نے بلا دلیل مرد سے حق طلاق چھین کر عدالت کو تفویض کر دیا ہے یا پھر دوسری صورت یہ بتلائی ہے کہ اس حق طلاق میں میاں بیوی دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ جب کہ ان دونوں باتوں کی تردید کے لیے قرآن کی درج ذیل آیت کافی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾[2]

"پھر اگر وہ (شوہر) اس (عورت کو تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے، اس (پہلے شوہر پر) حلال نہ ہو گی۔"

دیکھیے اس آیت میں (طَلَّقَ) واحد مذکر غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے لہٰذا طلاق دینے والی اتھارٹی نہ عدالت ہو سکتی ہے نہ معاشرہ اور نہ ہی بیوی کو اس معاملہ میں شریک بنایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے عدالت کا معاملہ درمیان میں اس لیے بھی ذکر کیا ہے کہ اسلام نے عورت کو بھی خلع کا حق دیا ہے لیکن یہ چونکہ عدالت کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے لہٰذا مرد و عورت کے حقوق میں یکسانی پیدا کرنے کی خاطر عدالت کو اس میں داخل کر دیا ہے یا پھر مرد اور عورت کو برابر کا حصہ دار قرار دینے سے اس مسئلے میں یکسانی پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اگر مساوات مرد و زن کے حاملین اپنی رائے منوانے کے لیے اتنے ہی مصر ہیں جتنا کہ ان آیات کی تفسیر میں محسوس ہو رہے ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ اپنی رائے کی حمایت میں پہلے بقیہ دنیا کے مسلم ذہن کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں، لیکن قرآن کے ساتھ تحریف نہ کریں۔ تفسیر کا پہلا اصول تفسیر القرآن بالقرآن ہے اور یہ قرآنی آیات کو وہ معانی دینے کے کیسے مجاز ہیں جو قرآن کی دیگر آیات سے ٹکراتا ہے۔

---

1 طاہرہ کے نام خطوط: ص 97

2 سورۃ البقرۃ:2: 230